احمدیوں کے اعمال اور اقوال دُنیا سے نرالے ہونے چاہئیں

(فرمودہ یکم اکتوبر ۱۹۳۷ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

آج میرا منشاء ایک خاص مضمون بیان کرنے کا تھا مگر چونکہ میں کچھ دنوں کیلئے باہر جارہا ہوں میں نے سمجھا کہ ایسے اہم معاملہ کو ایسے ہی وقت میں بیان کرنا چاہئے جبکہ بعد میں آنے والے خطبات میں اگر ضرورت ہو تو اس کی مزید تشریح کی جاسکے۔ اِس لئے میں اُس مضمون کو اس وقت تک کہ خدا تعالیٰ کی مشیّت اس کا وقت لے آئے ، چھوڑتا ہوں ۔اور آج جماعت کو مختصر الفاظ میں اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ اس نے ہمیں ایسے زمانہ میں پیدا کیا ہے جس کی خواہش اور امید کروڑوں کروڑ آدمی جو ہم سے کم محبتِ رسول نہیں رکھتے تھے یا ہم سے کم خشیت اللہ ان کے دلوں میں نہ تھی ، کرتے ہوئے گزر گئے ۔ چھوٹی چھوٹی خواہشات بھی انسان کے قلب میں ایک عظیم الشان تغیر پیدا کردیتی ہیں تو بڑی بڑی خواہشات کے عدمِ حصول پر جذبات کی جو قربانیاں کرنی پڑتی ہیں یا جیسے جیسے رنج اور دکھ انسان کو اُٹھانے پڑتے ہیں اُن کا اندازہ لگانا کوئی آسان کام نہیں ۔ یہ وہ زمانہ ہے جس کے متعلق گزشتہ انبیاء لوگوں کے دلوں میں اُمیدیں پیدا کرتے چلے گئے ہیں ۔حضرت نوحؑ آئے اور انہوں نے اپنے زمانہ کے لوگوں کو عظیم الشان نشانات دکھائے ، انسانی ایمان کو تازہ کر دینے والے معجزات دکھائے ، الٰہی فضلوں کا مشاہدہ کرایا، ان کے ایمانوں کو تازگی بخشی اور انہیں محبت الٰہی کا ایسا درس دیا کہ ان کے دل خوشی اور اطمینان سے لبریز ہو گئے ۔اور اپنے ماحول کو مدنظر رکھتے ہوئے اُن کی دنیا عام

لوگوں کی دنیا سے علیحدہ ہو گئی اور لوگوں نے یوں محسوس کیا جیسے انہیں آگ سے نکال کر ایک ٹھنڈے کمرے میں پہنچا دیا گیا ہے یا بے آب و گیاہ جنگل سے اُٹھا کر ایک نہایت ہی اعلیٰ درجہ کے باغ میں بٹھا دیا گیا ہے۔ مگر جب وہ لوگ خوش ہوئے اور ان کے دلوں میں شکر کا جذبہ پیدا ہوا اور انہوں نے کہا ہم کتنی بڑی راحت میں ہیں اور خدا نے ہم سے کیسا اچھا کام لیا تو نوحؑ نے اُن سے کہا ابھی ایک اور زمانہ آنے والا ہے اور ایک ایسی جنگ ہونے والی ہے جو اِس جنگ سے بہت زیادہ خطرناک اور مہیب ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے انعامات بھی نازل ہونے والے ہیں جو تمہارے ان انعامات سے بہت بڑھ کر ہیں۔ اس طرح حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کے دلوں میں اس آخری زمانہ کے دیکھنے کی خواہش پیدا کر دی۔ جو بہادر تھے اُن کے دلوں میں اس لحاظ سے کہ کاش! اس جنگ میں انہیں بھی لڑنے کا موقع ملے اور جو نسبتاً کمزور تھے اُن کے دلوں میں اس لحاظ سے کہ کاش! ان نعمتوں اور فضلوں کے دیکھنے کا جو اس روحانی جنگ کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والے ہیں انہیں بھی موقع میسر آئے۔ اور وہ اس کی حمد اور ستائش کے گیت گائیں۔ یہی کچھ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا، یہی کچھ حضرت موسیٰؑ نے کہا، یہی کچھ حضرت عیسیٰؑ نے کہا اور پھر ان کے بعد جب آنحضرت ﷺ کا زمانہ آیا، وہ موعود زمانہ جس کیلئے دنیا کی پیدائش ہوئی تھی اور اس انسان کو مبعوث کیا گیا جس انسان کے متعلق خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ لَوْ لَاکَ لَمَاخَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ[1] یعنی اے محمد ﷺ! اگر تُو نہ ہوتا تو میں دنیا کو ہی پیدا نہ کرتا۔ تو اس وقت انسانی ترقیات کے کمال تک پہنچنے اور خدائی فضلوں کے انتہا تک پہنچنے کا زمانہ آ گیا۔ لوگ خوش ہوئے اور انسان نے مسرت سے جھوم کر کہا میں کس بلند معیار تک پہنچ گیا۔ مگر رسول کریم ﷺ نے فرمایا ابھی ایک آخری زمانہ آنے والا ہے۔ میں نہیں جانتا میری اُمت کی ابتدا اچھی ہے یا انتہاء۔ غرض وہ اطمینان کا سانس جو انسان لے سکتا تھا اس اطمینان کا سانس لینے کے معاً بعد ان کے دلوں میں رسول کریم ﷺ نے ایک نئی امید پیدا کر دی اور آپ نے فرمایا بے شک میرا زمانہ بہترین ہے مگر میری روحانی تربیت سے بعض اور لوگ بھی حصہ لینے والے ہیں اور ایک دفعہ پھر میں آخری زمانہ میں ظاہر ہونے والا ہوں۔ پھر روحانی طور پر میری ایک اور بعثت ہونے والی ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا میری اُمت کی ابتدا اچھی ہے یا انتہاء۔ جب آپ نے فرمایا کہ میں نہیں کہہ سکتا میری اُمت کی ابتدا اچھی ہے یا انتہاء تو لوگوں کے دلوں میں خواہش پیدا ہو گئی اور انہوں نے چاہا کہ کاش! ہم بھی وہ زمانہ دیکھیں۔ غرض

ہر نبی نے اس زمانہ کی خبر دی اور ہر امت نے اس کو دیکھنے کی خواہش کی۔ مگر اس زمانہ کو دیکھنے کا موقع کس کو ملا۔ تمہارے اور میرے جیسے کمزور لوگوں کو۔

خواجہ مظہر جان جاناں ایک دفعہ بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے ایک شاگرد بھی جو انہیں بہت پیارے تھے اور وہ خود بھی بڑے عارف تھے، ان کے پاس موجود تھے کہ کوئی شخص بالائی کے لڈو لایا اور اس نے وہ لڈو تحفہ کے طور پر آپ کے سامنے پیش کر دیئے (دہلی کے بالائی کے لڈو خاص مشہور ہیں) انہوں نے ان لڈوؤں میں سے دو لڈو اُٹھا کر اس شاگرد اور خلیفہ کو دے دیئے۔ دو چار منٹ گزرے تو آپ نے نگاہ اُٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور فرمایا میاں! تمہارے ہاتھ میں تو کچھ بھی نہیں۔ میں نے تو تمہیں لڈو دیئے تھے۔ وہ کہنے لگا حضور! وہ تو میں نے اسے کھا لئے۔ کہنے لگا کیا دونوں کھا لئے؟ وہ کہنے لگا حضور لڈو بھی کوئی چیز ہوتے ہیں وہ تو ایک دفعہ ہی مَیں نے منہ میں ڈال لئے۔ خواجہ مظہر جان جاناں صاحب ایک جذبہ کی حالت میں چلے گئے اور بار بار یہ فقرہ دُہرانے لگے میاں! تمہیں لڈو کھانے بھی نہیں آتے۔ یہ دیکھ کر شاگرد کے دل میں کچھ ندامت اور شرمندگی پیدا ہوئی اور اس نے کہا حضور! پھر آپ ہی بتایئے کہ لڈو کس طرح کھائے جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اچھا پھر کبھی لڈو آئے تو تمہیں بتائیں گے۔ چند دن گزرے تھے کہ پھر کوئی شخص تحفہ کے طور پر آپ کے پاس بالائی کے لڈو لایا۔ وہ شاگرد پاس ہی بیٹھا تھا کہنے لگا حضور! اب بتائیں کہ لڈو کس طرح کھائے جاتے ہیں۔ آپ نے جیب سے ایک رومال نکالا اور اُسے بچھا کر اُس پر ایک لڈو رکھ دیا اور اپنے اس شاگرد کو دیکھ کر فرمایا کیا تم سمجھتے ہو یہ ایک چھوٹی سی چیز ہے۔ یاد رکھو یہ چھوٹی چیز نہیں بلکہ بہت بڑی چیز ہے۔ ذرا غور تو کرو اس لڈو کے بنانے میں کیا کیا چیزیں خرچ آتی ہیں۔ کچھ گھی لگتا ہے، کچھ بالائی لگتی ہے، کچھ میٹھا لگتا ہے، کچھ میدہ خرچ ہوتا ہے۔ پھر فرمایا تو ان چیزوں کو ذرا آگے تو پھیلاؤ اور اگر سب کو نہیں تو خالی میدے کو ہی لے لو، کتنی محنتوں اور مشقتوں کے بعد وہ تیار ہوا ہے۔ تم جانتے ہو کہ راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر زمیندار اپنے کھیتوں کو گئے۔ بیمار بچوں کو گھروں میں چھوڑ کر اور بعض دفعہ خطرناک امراض میں مبتلا بیویوں کو چھوڑ کر آدھی رات کے وقت انہوں نے اپنے ہل اٹھائے اور کھیتوں کو چل دیئے۔ ننگے پاؤں پتھروں اور روڑوں پر سے گزرتے ہوئے ایسی حالت میں کہ انہیں سانپوں کے ڈسنے کا خطرہ تھا اور بچھو کی نیش زنی کا ڈر۔ مگر وہ والہانہ انداز میں گئے اور انہوں نے ہل چلانا شروع کر دیا۔ پھر فرمانے لگے آخر انہوں نے یہ کیوں کیا اور کیوں یہ تمام

صعوبتیں اور تکالیف برداشت کیں؟ صرف اس لئے کہ ایک دن مظہر جان جاناں لڈو کھا کر اپنا منہ میٹھا کرے۔ اتنا ہی کہا تھا کہ وہ سُبْحَانَ اللّٰہِ، سُبْحَانَ اللّٰہِ کہتے ہوئے اپنے خیالات میں محو ہو گئے اور دیر تک اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید کرتے رہے۔ پھر فرمانے لگے چھ مہینہ تک اس زمیندار نے رات اور دن کی تکلیف اٹھا کر غلہ پیدا کیا۔ پھر اس کو تاجر نے خریدا۔ پھر اس کو چکیوں میں پیسا گیا۔ سینکڑوں نہیں ہزاروں آدمی اس کام میں لگے اور انہوں نے میدہ تیار کیا۔ مگر کام یہاں سے بھی شروع نہیں ہوا۔ اس سے بھی پہلے ہل کیلئے لوہے کی ضرورت تھی۔ اس لوہے کو لوہار نے کس طرح تپتی ہوئی گرمیوں کے موسم میں بھٹی کے پاس بیٹھ کر تیار کیا۔ مگر اس لوہار نے بھی صرف لوہے کا آلہ بنایا لوہے کو کانوں سے نکالا نہیں بلکہ اس کیلئے دُور دراز مُلکوں میں ہزاروں لوگ تھے جو کانوں میں کام کر رہے تھے۔ جنہوں نے اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال کر اور تہہ خانوں میں دن رات کام کر کے لوہا نکالا۔ پھر بیسیوں خچروں پر وہ لدلدا کر ہمارے ملک میں پہنچا۔ یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ صرف اس لئے کہ مظہر جان جاناں ایک لڈو کھالے۔ غرض اس مضمون کو جو اگر وسیع کر کے الگ بیان کیا جائے تو کئی دن لگ جائیں، بیان کرتے چلے گئے اور درمیان میں محبت الٰہی کا جذبہ ترقی کر جاتا تو سُبْحَانَ اللّٰہِ، سُبْحَانَ اللّٰہِ کہنے لگ جاتے۔ اس کے بعد آپ نے لڈو میں سے ایک ذرا سا ٹکڑہ توڑا اور اسے اپنے منہ میں ڈالا کہ اتنے میں مؤذّن پہنچ گیا اور اُس نے عرض کیا کہ عصر کی نماز کو دیر ہو رہی ہے۔ چنانچہ آپ اُسی وقت کھڑے ہو گئے اور وہ لڈو وہیں دھرے کا دھرا رہ گیا۔

تو ایک عارف اور حقیقی علم رکھنے والا لڈو کی بھی کیسی قدر کرتا ہے۔ اس لڈو کی جس کی دنیا کی نگاہ میں کوئی قدر نہیں۔ اچھے سے اچھا لڈو آنہ دو آنے کو آجائے گا۔ ایک چھوٹا بچہ جس کا وجود دنیا میں کسی فائدہ کا نہیں ہوتا، اُس کو خوش کرنے کیلئے بعض دفعہ تم دو دو تین تین آنے کے لڈو کھلا دیتے ہو۔ ایک فاسق وفاجر انسان جس کی نہ دین میں عزت ہے نہ دنیا میں، اپنے منہ کے چسکے کیلئے دس دس لڈو کھا جاتا ہے۔ پس وہ لڈو کیا چیز ہے جسے اتنی حقیر چیزوں کیلئے قربان کر دیا جاتا ہے۔ لیکن خواجہ مظہر جان جاناں نے اسے ایک اور نگاہ سے دیکھا۔ انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ یہ ایک لڈو ہے جو میرا منہ میٹھا کرے گا بلکہ انہوں نے یہ دیکھا کہ کتنے آدمیوں نے اپنی جان کو اِس لڈو کے تیار کرنے کیلئے ہلکان کیا اور اس لئے ہلکان کیا تا اللہ تعالیٰ کا ایک بندہ لڈو کھائے۔ ہزاروں نہیں لاکھوں، لاکھوں نہیں کروڑوں، کروڑوں نہیں

اربوں بلکہ اس سے بھی زیادہ سالوں سے خداتعالیٰ کے اَن گنت فرشتے دنیا کی چھوٹی چھوٹی چیزوں کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں۔ خداتعالیٰ کے وہ زبردست آئین جن میں سے ایک چھوٹے سے چھوٹے قانون کے مقابلہ میں بھی دنیا کی تمام پارلیمنٹوں کے آئین بالکل ذلیل اور ہیچ ہیں، انسان کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ دنیا کی پارلیمنٹوں میں سے کسی ایک پارلیمنٹ کا بھی کوئی قانون ایسا نہیں جو دوسَو سال تک یکساں چل سکے۔ مگر خداتعالیٰ کا ایک قانون بھی ایسا نہیں جو کروڑوں نہیں، اربوں سالوں میں ایک دفعہ بھی بدلا ہو۔ وہ خود فرماتا ہے لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا - وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا - [۲] دنیوی گورنمنٹیں جنہیں اپنی طاقت پر ناز ہوتا ہے، جنہیں اپنی قوتوں پر فخر ہوتا ہے، وہ کہتی ہیں فلاں جگہ چھاوٴنی قائم کی جائے۔ وہاں چھاوٴنی بن جاتی ہے لیکن ابھی سَو سال نہیں گزرتے کہ وہاں سے چھاوٴنی بدل کر کسی اور جگہ چلی جاتی ہے۔ لیکن خدا نے کہا ہماری گرمی کا مرکز سورج میں ہے۔ اس پر کروڑوں نہیں اربوں سال گزر گئے۔ ایک کروڑ کے بعد دوسرا کروڑ اور دوسرے کے بعد تیسرا کروڑ آیا۔ ایک لاکھ کے بعد دوسرا لاکھ اور دوسرے کے بعد تیسرا لاکھ آیا۔ ایک ہزار کے بعد دوسرا ہزار آیا اور دوسرے کے بعد تیسرا ہزار آیا۔ ایک دن کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا دن آیا۔ ایک گھنٹہ کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا گھنٹہ آیا۔ غرض زمانہ گزرا اور گزرتا چلا جاتا ہے مگر قانون وہی ہے۔ دن آتا ہے اور پھر رات آتی ہے۔ رات گزرتی ہے تو دن آجاتا ہے اور گرمی کا مرکز ہمیشہ سورج ہی رہتا ہے۔ یہ چھاوٴنی نہیں بدلتی۔ پھر خدا نے کہا ہوائیں فلاں جگہ سے اُٹھیں اور ہندوستان پر اپنا پانی برسائیں۔ اِس قانون پر لاکھوں سال گزر گئے۔ ہمارے باپ دادوں کے زمانہ میں بھی یہی قانون تھا، ان کے باپ دادوں کے زمانہ میں بھی یہی قانون تھا۔ جن دنوں اسلامی حکومت تھی اُن دنوں میں بھی یہی قانون تھا۔ جب ہندووٴں کا غلبہ تھا اُس وقت بھی یہی قانون تھا اور ان سے پہلے جب ڈریوڈین (DRAVIDIAN) لوگوں کا زور ہندوستان میں تھا اُن دنوں بھی یہی قانون تھا اور اب تک بھی وہیں سے ہوائیں اُٹھتیں اور ہندوستان میں بارش برسا دیتی ہیں۔ خدا نے کہا آگ جلائے۔ اب ساری دنیا میں قانون بدلتے رہتے ہیں، حکومتیں بدلتی ہیں، فلسفے کے اصول بدلتے ہیں، تہذیب بدلتی ہے، تمدن بدلتا ہے مگر خدا کا قانون نہیں بدلتا آگ ہمیشہ جلاتی ہی ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ اس نے کسی کی پیاس بجھا دی ہو۔ پھر خدا نے کہا پانی پیاس بجھائے۔ نتیجہ یہ ہے کہ پانی پیاس

ہی بجھاتا ہے، آگ نہیں جلاتا۔

تو خداتعالیٰ کا ایک چھوٹے سے چھوٹا قانون بھی دنیا کی تمام پارلیمنٹوں کے بڑے سے بڑے قوانین کے مقابلہ میں بڑا ہے۔ مگر خداتعالیٰ نے ایسے تمام قوانین خواہ وہ چھوٹے ہیں یا بڑے اربوں ارب سالوں سے ایک حقیر انسان کی خدمت کیلئے لگا رکھے ہیں۔ مگر انسانوں میں سے ہزاروں نہیں لاکھوں، لاکھوں نہیں کروڑوں بلکہ ہر لاکھ میں سے ننانوے ہزار نوصد ننانوے انسان ایسے ہیں کہ جب سورج ڈوبتا ہے اور شام آتی ہے تو کبھی وہ نظر اُٹھا کر بھی اوپر نہیں دیکھتے کہ اُن کے سروں پر کیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ رمضان کے مہینہ میں یا عید کے موقع پر کسی نے چاند دیکھ لیا تو دیکھ لیا اور ستاروں کی طرف تو کسی کی توجہ ہی نہیں ہوتی اور اگر ہوتی بھی ہے تو قریب کے ستاروں کی طرف۔ مگر انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ لاکھوں لاکھ اور کروڑوں کروڑ ستارے جو اس کے سر پر کھڑے آنکھیں جھپک رہے ہیں، دنیا کو قائم رکھنے کا ایک ذریعہ ہیں۔ اسے یہ پتہ ہی نہیں ہوتا کہ یہ وہ خدائی پہرہ دار ہیں جو اس کی حفاظت کیلئے مقرر ہیں۔ ان اربوں ارب ستاروں میں سے ایک بھی ایسا نہیں جس کی روشنی انسان کی زندگی کے کام نہ آرہی ہو۔ کوئی انسانی اخلاق کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، کوئی صحت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، کوئی غذا کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، کوئی دنیا کے ذرات کو جوڑنے کا کام کررہا ہے، کوئی پانی برسارہا ہے، کوئی ہوا چلارہا ہے اور اسی طرح تمام ستارے اپنے اپنے کام میں خاموشی سے مصروف ہیں۔ مگر انسان کو کچھ پتہ ہی نہیں کہ اس کیلئے خدا نے کتنے عظیم الشان سیارے اور ستارے اور سورج اور چاند کام کیلئے لگا رکھے ہیں۔ یہ جب بازار میں سے گزرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ دوچار سَو آدمی اکٹھے شور مچارہے ہیں تو حیرت سے کھڑا ہوجاتا ہے اور حیرت سے پوچھتا ہے کہ کیا بات ہے؟ وہ سَو دوسَو آدمی تو اس کی توجہ اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں لیکن یہ کروڑوں کروڑ ستارے جو دنیا کی آبادی سے بھی زیادہ ہیں، رات دن کام کررہے ہیں اور ان کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں اس کی توجہ کو اپنی طرف نہیں پھراتے۔ پھر یہ ایک دوآدمی کو معمولی طور پر دوڑتے ہوئے دیکھتے ہیں تو فوراً تجسس کی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھنے لگتا ہے۔ لیکن بعض سیارے اس کی خدمت میں ہزاروں لاکھوں میل کی رفتار سے دوڑ رہے ہیں مگر یہ آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا کہ کیا ہورہا ہے۔ اسی لئے کہ خدا کا قانون خاموشی سے یہ سب کچھ کررہا ہے اور ایسی طرز پر کام ہورہا ہے کہ انسان کو یہ احساس بھی پیدا نہیں ہوتا کہ اس کے فائدہ کیلئے اس قدر دَوڑ دھوپ ہورہی ہے

اور اگر کبھی نگاہ اُٹھاتا بھی ہے تو کبھی یہ نہیں سوچتا کہ میرے جیسی حقیر چیز کیلئے خدا نے کیا کیا سامان پیدا کر دیئے۔ غرض وہ خداتعالیٰ کی پیدا کردہ ان چیزوں پر جو محض اس کے فائدہ کیلئے معرضِ وجود میں آئی ہیں نگاہ بھی نہیں ڈالتا۔ اور ان تغیرات کی قیمت کو سمجھتا ہی نہیں جو اس کیلئے پیدا کئے جا رہے ہیں۔ ہاں وہ چھوٹی چھوٹی چیزوں کی قدر و قیمت کو خوب سمجھتا ہے۔ وہ ایک دھیلے کی قیمت سمجھتا ہے، وہ ایک پیسہ کی قیمت سمجھتا ہے، وہ ایک روپیہ کی قیمت بہت زیادہ سمجھتا ہے مگر وہ سورج اور چاند اور سیاروں اور ستاروں اور ان کروڑوں چمکنے والی ہستیوں کی جو اس پر نیک یا بد اثر ڈال رہی ہیں کوئی ہستی نہیں سمجھتا۔ مگر خواہ انسان ان چیزوں کی قیمت سمجھے یا نہ سمجھے اس امر سے کون انکار کر سکتا ہے کہ یہ سب کچھ انسانی زندگی کے قیام کیلئے ہے۔ پھر ایسے انسانوں کی زندگی کے قیام کیلئے بھی ہے جو خداتعالیٰ کو گالیاں دیتے، اس کے نبیوں کا انکار کرتے اور اس کے کلام اور نشانات پر ہنسی اُڑاتے ہیں۔ پس اگر یہ سارے کا سارا عالَم ایک ادنیٰ سے ادنیٰ انسان کی خدمت میں لگا ہوا ہے تو پھر کیا کہنا ہے اس انسان کا جس کے متعلق خدا نے یہ کہا کہ لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ اور پھر کیا کہنا اس انسان کا جن کے متعلق وہ لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ کا مصداق یہ الفاظ کہے کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ میری اُمت کی ابتداء اچھی ہے یا انتہاء۔

غرض یہ مبارک زمانہ ہم کو ملا مگر ہم میں سے بہت لوگوں کو غور کرنا چاہیئے کہ کیا انہوں نے خدا کے مسیحؑ کی اتنی بھی قدر کی جتنی مظہر جانِ جاناں نے ایک لڈو کی کی تھی۔ دلی کا بنا ہوا بالائی کا لڈو حضرت مظہر جانِ جاناں کے سامنے آیا۔ وہ خدا کا ایک عارف بندہ تھا اُس نے لڈو کو جونہی دیکھا لڈو نے اُس کی ساری توجہ کو اپنی طرف کھینچ لیا اور دنیا وَمَا فِیْھَا کو اس کے ذہن سے اُتار دیا کیونکہ اس لڈو میں اسے خدا کا جلوہ دکھائی دیا۔ اس نے سارا لڈو نہیں کھایا بلکہ لڈو کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا چکھا اور اس ٹکڑے میں پھر اسے خداتعالیٰ کا جلال نظر آیا حتّٰی کہ اس کے چکھنے پر اسے باقی تمام لڈو بھی بھول گیا۔ دنیا کو خدا زمین میں نظر نہیں آتا، اسے خدا سورج چاند میں نظر نہیں آتا، اسے خدا سارے عالَم میں بھی نظر نہیں آتا۔ مگر مظہر جانِ جاناں کو ایک لڈو میں نظر آ گیا اور چونکہ خدا کا جلوہ جب نظر آئے تو وہ ترقی کرتا ہے آخر وہ جلوہ انہیں لڈو کے اس ٹکڑا میں نظر آ گیا جو انہوں نے اپنے منہ میں ڈالا تھا اور خود لڈو بھی ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ مگر کیا ہماری جماعت کے دوست حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قدر اس لڈو کے ایک ذرّہ

کے برابر بھی سمجھتے ہیں؟ کتنے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ ایک عظیم الشان تغیر ہے جس کو پیدا کرنے کیلئے مسیح موعود دنیا میں آیا۔ کتنے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ مسیح موعود دنیا میں اس لئے نہیں آیا کہ لوگ آپ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیتے، بیعت کرتے اور یہ سمجھتے کہ معاملہ ختم ہو گیا۔ یہ رسمی چیز ایسی نہیں تھی جس کیلئے خدا کو اتنا عظیم الشان انسان بھیجنے کی ضرورت محسوس ہوتی بلکہ خدا دنیا میں ایک تغیر پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اتنا عظیم الشان تغیر کہ جسے دیکھ کر دشمن بھی یہ اقرار کرے کہ اس تغیر کیلئے جتنی بھی قربانی کی جاتی کم تھی۔ لوگ کہتے ہیں کیا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آنے پر ساری دنیا کافر ہو گئی۔ مگر میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ یہ بات وہ اُس وقت تک کہتے ہیں جب تک ہم دنیا میں وہ تغیر پیدا نہیں کر دیتے جس کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا گیا تھا۔ اگر آج تم دنیا میں وہ تغیر پیدا کر دو، اگر آج تم دنیا میں وہ جنت پیدا کرو جس جنت کو پیدا کرنا خدا کا منشاء اور مسیح موعود کی بعثت کا مقصد ہے تو میں تمہیں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہی شخص جو آج تم سے اس لئے لڑتا ہے کہ تم دنیا کو کافر قرار دیتے ہو، تم سے دو قدم آگے بڑھے گا اور کہے گا کہ ایسے عظیم الشان تغیر کے پیدا کرنے میں جس کے نتیجہ میں دنیا کو جنت حاصل ہوئی جو لوگ حائل ہوتے ہیں وہ یقیناً کافر بلکہ اَکفر ہیں۔ پھر وہ لوگ جو تم پر اعتراض کرتے اور کہتے ہیں کہ تم ہمیں جہنمی کہتے ہو، اگر تم اِس جنت کو دنیا میں قائم کر دو تو وہی لوگ جو آج تم سے اس لئے دست و گریبان ہو رہے ہیں کہ تم انہیں جہنمی کہتے ہو خود کہیں گے کہ جو لوگ اس جنت کے قائم کرنے میں حائل تھے وہ جہنمی ہی نہیں بلکہ جہنم سے بھی اگر کوئی نچلا درجہ ہو تو وہ اس میں گرائے جانے کے قابل ہیں کیونکہ وہ اس جنت سے لوگوں کو محروم کرتے تھے۔

پس اگر لوگ انکار کرتے ہیں، لوگ اگر اعتراض کرتے ہیں، لوگ اگر جوش میں آتے ہیں، لوگ اگر بُرا مناتے ہیں تو محض اِس لئے کہ ان کے سامنے ابھی وہ جنت نہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی جماعت نے دنیا میں پیدا کرنی ہے۔ ان کے سامنے کچھ دعوے ہیں، کچھ باتیں ہیں، کچھ لاف زنیاں ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ان باتوں کیلئے کسی کو کافر کہنا جائز نہیں، ان باتوں کیلئے کسی کو جہنمی کہنا جائز نہیں۔ لیکن اگر تم یہ قیمتی چیز ان کے سامنے رکھ دو تو وہی لوگ جو اعتراض کر رہے ہیں کہیں گے بالکل ٹھیک ہے۔ جو شخص مسیح موعودؑ کا انکار کرتا ہے وہ کافر بلکہ اَکفر ہے۔ اور جو ان کو نہیں مانتا وہ جہنمی ہی نہیں جہنم کے نچلے حصہ میں گرائے جانے کے قابل ہے۔

دنیا میں ایک شخص گزرا ہے جس کا نام لوگوں نے اُس کی دیوانگی کی وجہ سے مجنوں رکھ دیا ہے۔ حالانکہ مجنوں اس کا نام نہیں تھا بلکہ اس کا نام قیس تھا۔ لیکن بوجہ اس کے کہ وہ عشق میں دیوانہ ہو گیا تھا لوگوں نے اس کا نام ہی مجنوں رکھ دیا۔ حالانکہ مجنوں کے معنے عربی میں پاگل کے ہیں اور لوگ مجنوں اسی طرح کہتے تھے جس طرح کہ ہندوستانی دیوانوں کو پاگل کہتے ہیں۔ اب اگر ہمارے ملک میں کوئی شخص لوگوں سے یہ کہے کہ پاگل کی یہ بات ہے، پاگل کی وہ بات ہے تو لوگ اس کی بات سن کر حیران ہوں گے اور کہیں گے کہ کونسے پاگل کی؟ تم نام تو بتاتے نہیں۔ لیکن قیس کو ایک دنیا پاگل پاگل کہہ کر بلاتی ہے اور کسی کو حیرت نہیں ہوتی۔ ہر ایک فوراً سمجھ جاتا ہے کہ یہ قیس کا ہی ذکر ہے۔ کیونکہ اس کے متعلق یہ لفظ اتنی کثرت سے استعمال ہوا کہ اب وہ اس کا علَم بن گیا ہے اور اس کا نام قرار پا گیا ہے۔ غرض وہ ایک مجنون شخص تھا مگر دیکھو وہ مجنوں بھی اپنی بات میں کیسا ہوشیار تھا۔ کہتے ہیں مجنوں ایک جگہ بیٹھا ہوا ایک کتے کو گود میں لئے پیار کر رہا تھا کہ پاس سے کوئی شخص گزرا اور اُس نے کہا قیس! یہ کیا دیوانگی کی حرکت کر رہے ہو! (آجکل کے انگریزوں اور میموں کی سمجھ میں شاید یہ بات نہ آئے کہ کتے کو پیار کرنے پر اس سے حیرت سے کیوں سوال کیا کیونکہ وہ خود کتوں کو پیار کرنے کے عادی ہیں اور ہمیشہ انہیں اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ ان سے اگر کوئی کہے کہ کتے کو کیوں پیار کر رہے ہو تو وہ شاید اُلٹا معترض کو پاگل سمجھیں گے اور کہیں گے کہ اس کا دماغ خراب ہو گیا۔ لیکن بہرحال ایشیائی ایشیائی ہے اور مغربی مغربی۔ ایک ایشیائی جب بھی کسی ایسے شخص کو دیکھے گا جو کتے سے پیار کر رہا ہو وہ حیرت سے اسے دیکھے گا اور وہ اسے اس کام سے روکے گا۔ اِس بناء پر اُس شخص نے جب مجنوں کو دیکھا کہ وہ ایک کتے کو پیار کر رہا ہے تو اُس نے کہا قیس! یہ کیا پاگلانہ حرکت کر رہے ہو) قیس یہ اعتراض سن کر حیرت سے بولا کیا کر رہا ہوں؟ اُس نے کہا تم ایک کتے سے پیار کر رہے ہو۔ کہنے لگا کتا؟ یہ تمہیں کتا نظر آتا ہوگا مگر مجھے تو یہ لیلیٰ کا کتا نظر آتا ہے۔ گویا قیس کو حیرت ہوئی کہ وہ شخص اِس قدر بیوقوف ہے کہ اُسے کتے اور لیلیٰ کے کتے میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ کتا بے شک ایک گندی چیز ہے مگر قیس کے نزدیک لیلیٰ کا کتا بالکل اَور چیز تھا وہ کسی صورت میں گندہ نہیں ہو سکتا تھا۔ تو جب کسی شخص سے کسی کو حقیقی عشق ہوتا ہے اسے اپنے معشوق کی ہر چیز پیاری نظر آنے لگ جاتی ہے۔

اب محمد ﷺ بھی ایک انسان ہی تھے اور ویسے ہی انسان تھے جیسے مکہ کے اور بہت سے لوگ۔

مگر کیوں ہمارا ذرہ ذرہ آپ پر فدا ہے اور کیوں ہم آپ پر اپنی جانیں قربان کرنا انتہائی سعادت اور خوش بختی سمجھتے ہیں۔ اِسی لئے کہ وہ لوگوں کو آدمی نظر آتے ہیں مگر ہمیں ''اللہ کے آدمی'' نظر آتے ہیں۔ آپؐ کے آدمی ہونے سے تو ہمیں بھی انکار نہیں۔ آپؐ خود فرماتے ہیں کہ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ [۳] میں تمہارے جیسا ہی ایک انسان ہوں۔ مگر اس پر مزید بات یہ ہے کہ آپ ہمیں ''اللہ کے آدمی'' دکھائی دیتے ہیں۔ لوگ ہم پر اعتراض کرتے اور کہتے ہیں کہ تم ایک آدمی کے پیچھے چل رہے ہو مگر یہ درست نہیں۔ بھلا ہم کوئی ایسے پاگل ہیں کہ کسی آدمی کے پیچھے چلیں۔ ہم تو اللہ کے بندے کے پیچھے چل رہے ہیں اور چونکہ اللہ تعالیٰ ہمارا محبوب ہے اس لئے اس محبوب میں جو بھی جذب ہو گیا وہ خالی بندہ نہ رہا بلکہ اللہ کا بندہ بن گیا اور اس لئے وہ ہمارا بھی محبوب اور معشوق قرار پا گیا۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے طواف کیلئے جاتے ہیں۔ راستہ میں کفار کا لشکر آپ کو اور صحابہؓ کو روک لیتا ہے۔ صنادیدِ عرب ایک وفد لے کر آپ کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں ہم یہ برداشت نہیں کرسکتے کہ آپ کعبہ کا طواف کریں۔ اس سے ہمارے پرسٹیج (PRESTIGE) میں فرق آتا ہے۔ اس پر صلح کی گفتگو شروع ہوگئی اور گفتگو ہوتے ہوتے نماز کا وقت آ گیا۔ رسول کریم ﷺ اُٹھتے ہیں اور وضو کرتے ہیں مگر جب منہ میں پانی ڈال کر کلی پھینکتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے کچھ اور بندے جو اپنی خوبیوں اور طاقتوں کے ذریعہ یہ ثابت کر چکے تھے کہ وہ دنیا کے عمود اور اس کی حفاظت کا ذریعہ ہیں، دیوانہ وار آگے بڑھتے ہیں اور وضو کے پانی کا ایک قطرہ بھی زمین پر گرنے نہیں دیتے۔ کوئی اس پانی کو ہاتھوں میں مل لیتا ہے، کوئی منہ کو ملنے لگ جاتا ہے، کوئی سینہ پر مل لیتا ہے، کوئی پیٹھ پر ملنے لگ جاتا ہے۔[۴] یہ دیکھ کر کفار کی نظر حیرت سے پھٹ جاتی ہے اور وہ کہتے ہیں دیکھو یہ کتنے پاگل ہیں۔ یہ جو کہتے ہیں کہ ہم دنیا کی ہدایت کیلئے کھڑے کئے گئے ہیں، ہم دنیا کی اصلاح کیلئے قائم کئے گئے ہیں ایک انسان کی تھوک کیلئے مر رہے ہیں کون ہے جو انہیں مہذب کہہ سکے۔ بے شک ان کی نگاہ میں وہ تھوک تھا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ تھوک ہی تھا مگر فرق یہ تھا کہ وہ کفار محمد ﷺ کی نسبت یہ سمجھتے تھے کہ یہ محمد (ﷺ) کا تھوک ہے اور صحابہ یہ سمجھ کر اُس تھوک کو اپنے ہاتھوں اور اپنے مونہوں پر ملتے تھے کہ یہ خدا کے بندے کا تھوک ہے۔ کوئی کہے خدا کے بندے کا تھوک بھی تھوک ہی ہے۔ مگر یہ بالکل جھوٹ ہے۔ کیا مکھی کی قے اور شہد کی مکھی کی قے ایک ہی جیسی ہوتی ہے؟ کیا تم ایک مکھی کی قے اپنے کپڑوں سے دھوتے نہیں اور کیا دوسری مکھی کی قے

مزے سے چاٹتے نہیں؟ اگر کوئی شخص تم پر اعتراض کرے اور کہے کہ تم شہد کی مکھی کی قے کیوں چاٹتے ہو تو تم اسے پاگل سمجھو گے اور اسے کہو گے بے شک یہ قے ہے مگر یہ شہد کی مکھی کی قے ہے عام مکھی کی نہیں۔ تم روزانہ دیکھتے ہو کہ ڈاکٹر تمہیں ہدایت دیتا ہے کہ تم اُس قصاب سے گوشت خریدو جس کی دکان کے دروازوں میں جالی لگی ہوئی ہو اور مکھیاں اُس کے گوشت پر نہ بیٹھتی ہوں۔ تم اُس حلوائی سے مٹھائی خریدا کرو جس کی دُکان پر مکھیاں نہ بیٹھتی ہوں کیونکہ مکھی کے بیٹھنے کی وجہ سے چیزیں گندی ہو جاتی ہیں اور بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ مگر دوسری طرف جب تم بیمار ہوتے ہو تو وہی ڈاکٹر آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں دوائی شہد میں ملا کر کھاؤ۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ کل تو یہ ڈاکٹر یہ کہہ رہا تھا کہ مکھیوں کی غلاظت سے ہیضہ پھیلتا ہے اور آج یہ کہہ رہا ہے کہ مکھی کے قے کھاؤ تو شفاء ہوگی۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے تو اسے بیوقوف کہیں گے کیونکہ ہر شخص اُسے کہے گا کہ ہیضہ اور دوسری متعدی بیماریاں عام مکھیوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں نہ کہ شہد کی مکھی کی وجہ سے۔ شہد جو شہد کی مکھی کا اُگال ہے اِس سے تو نہ صرف یہ کہ کوئی بیماری پیدا نہیں ہوتی بلکہ وہ کئی بیماریوں کو دُور کرتا ہے۔ اگر ایک عام مکھی اور شہد کی مکھی میں فرق ہے، اگر ایک مکھی سے ہیضہ پیدا ہوتا ہے تو دوسری مکھی کی قے سے شفاء حاصل ہوتی ہے تو کیا بندے اور خدا کے بندے میں کوئی فرق نہیں۔ کیا شہد خدا سے بڑا ہے کہ اس کی طرف منسوب ہو تو مکھی بدل جائے لیکن خدا تعالیٰ کی طرف منسوب ہو کر انسان عام انسانوں جیسا رہے۔ پس بے شک وہ تھوک تھوک ہی تھا مگر وہ خدا کے بندے کا تھوک تھا اور ان دونوں تھوکوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جس طرح شہد کی مکھی کے تھوک اور عام مکھی کے تھوک میں فرق ہے، اسی طرح ان تھوکوں میں فرق ہے۔ غرض محمد ﷺ کفار کی نگاہ میں ایک انسان تھے، ویسے ہی انسان جیسے دنیا میں اَور کروڑوں انسان ہیں مگر صحابہ کو آپ خدا کے بندے نظر آتے تھے۔

آج بھی دنیا کی نگاہ میں مسیح موعود صرف ایک انسان ہے اور لوگ ہم پر اعتراض کرتے ہیں کہ تم ایک آدمی کے پیچھے چل رہے ہو۔ ہم میں سے بھی کئی لوگ حضرت مسیح موعود کی نسبت سمجھتے ہیں کہ ایک نیک آدمی آیا اور گزر گیا اور وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ایک خدا کا بندہ آیا اور گزر گیا۔ جس طرح ایک آگ میں پڑا ہوا لوہا لوہا نہیں رہتا بلکہ آگ کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور گو جنس کے لحاظ سے وہ لوہا ہی رہتا ہے مگر خواص کے لحاظ سے آگ بن جاتا ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کے بندے اپنی جنس کے لحاظ سے انسان ہی رہتے

ہیں مگر اپنے کام کے لحاظ سے وہ خدا کی قدرتیں دکھاتے ہیں۔ جیسے تپتے ہوئے لوہے اور گرم گرم انگارہ میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ جو انگارہ کام کرتا ہے وہی لوہا کام کرتا ہے۔ جس طرح انگارہ جلاتا ہے اسی طرح لوہا بھی جلاتا ہے۔ جس طرح انگارہ داغ دیتا ہے اسی طرح لوہا بھی اگر بدن سے چھو جائے تو وہ بدن کو جھلس دیتا ہے۔ جس طرح انگارہ روشنی دیتا ہے اسی طرح لوہا بھی روشنی دیتا ہے۔ غرض انگارے اور لوہے میں کام کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں رہتا۔ صرف یہ فرق رہے گا کہ انگارا سارے کا سارا آگ بن جائے گا۔ مگر لوہا اس وقت تک آگ رہے گا جب تک وہ آگ میں پڑا رہے گا۔ جب اسے آگ سے الگ کرلیا جائے گا تو وہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ مگر وہ لوگ جن کے متعلق خدا یہ فیصلہ کردے کہ انہیں محبتِ الٰہی کی آگ سے کبھی نکالا نہیں جائے گا بلکہ وہ ہمیشہ اس آگ میں رہیں گے، وہ صفاتِ الٰہیہ سے ظلّی طور پر متصف ہو جاتے ہیں اور ان کی انسانیت اس کی تجلیات کے نیچے ہمیشہ کیلئے قرار پکڑ لیتی ہے۔

غرض خدا تعالیٰ کی ہم پر یہ بہت بڑی نعمت ہے کہ اُس نے اپنے مسیح کو ہم میں بھیجا اور اس کی شناخت کی ہمیں توفیق دی اور ہمیں چاہئے کہ ہم اس نعمت کی قدر کریں۔ میں بیرونی جماعتوں کو بھی مخاطب کرتا ہوں مگر خصوصیت سے میرے مخاطب قادیان کے لوگ ہیں۔ میں کہتا ہوں تمہیں چاہئے کہ تم اپنے اخلاق، اپنے افعال، اپنے اقوال، اپنی لڑائیوں، اپنے جھگڑوں، اپنی صلحوں اور اپنی صفائیوں یہ ہمیشہ یہ امر مدنظر رکھو کہ تم نے خدا کے ایک بندے کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا ہوا ہے۔ جس طرح آگ میں پڑا ہوا لوہا لوہا نہیں رہتا بلکہ آگ بن جاتا ہے۔ اسی طرح تم بھی اب خدا کے ایک بندے کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے کر کوئی اور چیز بن چکے ہو۔ تمہیں بھی اپنا وقار سمجھنا چاہئے اور تمہیں بھی اپنی قدر و قیمت کا اندازہ لگانا چاہئے۔ تم باتیں کرتے وقت کیوں یہ سمجھتے ہو کہ عبداللہ یا عبدالرحیم یا عبدالرحمٰن بول رہا ہے۔ تم سمجھ لو کہ عبداللہ مر چکا، عبدالرحیم مر چکا، عبدالرحمٰن مر چکا اور اب خدا کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دینے والا ایک شخص بول رہا ہے۔ پس تمہارے اعمال اور تمہارے افعال اور تمہارے اقوال تمام دنیا سے نرالے ہونے چاہئیں۔ اور ہر قدم پر تمہیں یہ سوچنا چاہئے کہ خدا کے بندے کو اب کیا کرنا چاہیے۔ یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ جب تم نے بیعت کرلی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے اپنے لئے موت قبول کرلی۔ سو جب تم مر گئے تو تمہیں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اب تم پہلے کے سے انسان نہیں رہے بلکہ مسیح موعود بن گئے ہو۔ تمہیں باتیں کرتے وقت سوچنا چاہئے کہ گفتگو کیلئے شریعت کے کون سے آداب

ہیں۔ تمہیں لین دین کرتے وقت سوچنا چاہئے کہ لین دین کے متعلق شریعت کے کیا احکام ہیں۔ تمہیں شادی بیاہ کے وقت یہ سوچنا چاہئے کہ اسلام اس بارے میں کیا ہدایات دیتا ہے۔ غرض ہر حرکت اور ہر سکون کے وقت تمہیں یہ دیکھنا چاہئے کہ کیا تم کوئی ایسا کام تو نہیں کر رہے جو خلافِ تقویٰ ہے۔ کیونکہ تم اب وہ نہیں رہے جو پہلے تھے۔ تمہاری عزت حضرت مسیح موعود کی عزت ہے اور مسیح موعود کی عزت خدا کی عزت ہے۔ پس تمہارے اقوال میں، تمہارے افعال میں، تمہارے اخلاق میں، تمہارے اطوار میں، تمہارے سونے میں، تمہارے جاگنے میں، تمہارے کھانے میں، تمہارے پینے میں غرض ہر حرکت اور ہر سکون میں تمہیں دوسروں سے ممتاز ہونا چاہئے۔ تب تم دیکھو گے کہ یہ دنیا تمہارے لئے جنت بن جائے گی۔ آخر یہ دنیا چند قوانین کے ماتحت ہی جنت بن سکتی ہے۔ اگر آپ ہی آپ جنت بن سکتی تو اللہ تعالیٰ کو شریعت بھیجنے اور انبیاء کا ایک لمبا سلسلہ قائم کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ پس جب تک ہم اپنے اقوال میں، اپنے افعال میں، اپنے اطوار میں ایک عظیم الشان تغیر پیدا نہیں کرتے اُس وقت تک ہم اس جنت کے پیدا کرنے میں ایک روک بنے ہوئے ہیں اور بالفاظ دیگر ہم چاہتے ہیں کہ وہ جنت پیدا نہ ہو۔ حالانکہ خدا تعالیٰ مسیح موعود کے زمانہ کی نسبت فرماتا ہے کہ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ [5] کہ خدا تعالیٰ اُس زمانہ میں جنت انسانوں کے قریب کر دے گا۔ مگر افسوس کہ ہم میں سے ہی بعض اسے دور کر رہے ہیں۔ کیونکہ ان کے اقوال اور ان کے افعال اور ان کی حرکات اور ان کی سکنات اس تعلیم کے مطابق نہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیش کی۔ لیکن اگر ہم اپنے اقوال اور اعمال میں تغیر پیدا کریں تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جنت نزدیک کر دی جائے گی۔ گویا ہماری مثال ایسی ہی ہے جیسے کرسیوں پر دو دوست آپس میں بیٹھے باتیں کر رہے ہوں اور نوکر چائے کی سینی لئے ان کے پاس کھڑا ہو مگر وہ اپنی باتوں میں ہی مشغول ہوں اور چائے کی سینی کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔ ہماری حالت بھی یہی ہے کہ ہم دنیا کی طرف متوجہ ہیں اور خدا اپنے ہاتھ میں جنت لئے ہمارے کولھوں کے پاس کھڑا ہے اور منتظر ہے کہ شاید پہلے انہوں نے توجہ نہیں کی تو اب کر لیں، شاید پہلے انہوں نے جنت نہیں لی تو اب لے لیں۔ پس اس جنت کے حصول میں صرف اتنی ہی دیر ہے کہ ہم دنیا کی طرف سے اپنا منہ موڑیں اور خدا کی طرف اپنی توجہ کریں۔ ورنہ وہ تو فرما چکا ہے کہ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ کہ جنت تمہارے قریب کر دی گئی ہے۔ صرف تمہارے ہاتھ بڑھانے اور پکڑنے کی دیر ہے۔

سو میں بوڑھوں کو بھی توجہ دلاتا ہوں اور جوانوں کو بھی توجہ دلاتا ہوں اور بچوں کو بھی توجہ دلاتا ہوں اور خصوصاً بچوں کو ہی مخاطب کرتا ہوں کیونکہ بڑوں کو جو خراب عادتیں پڑ چکی ہوں اُن کا دور ہونا بہت مشکل ہوتا ہے لیکن بچے اگر بچپن کی عمر سے ہی نیک باتیں سیکھیں اور ان کو اپنی عادت بنالیں تو ان کی تمام زندگی سنور سکتی اور سُکھ اور آرام میں گزر سکتی ہے۔ یہ بات یاد رکھو کہ ایمان کی طاقت کے بعد دنیا میں سب سے بڑی طاقت عادت کی ہے۔ بیشک بڑے بھی اگر چاہیں تو ایمان کی طاقت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنی اصلاح کر سکتے ہیں۔ لیکن ان بڑوں میں جنہیں بعض خراب عادتیں پڑ چکی ہوں یہ نقص ہوتا کہ انہیں ایمان کی طاقت کسی اور طرف کھینچ رہی ہوتی ہے اور عادت کی طاقت کسی اور طرف کھینچ رہی ہوتی ہے۔ مگر تم اے سلسلہ کے بچو! اگر اپنی عادتوں کو آج درست کر لو گے تو تمہاری عادتیں بھی تمہیں نیک راہ پر چلا رہی ہوں گے اور تمہارا ایمان بھی تمہیں سیدھے راستہ کی طرف لے جا رہا ہوگا اور اس طرح جس سفر کو تمہارے بڑے ایک دن میں طے کر سکتے ہیں اسے تم ایک منٹ میں طے کر سکو گے۔ کیونکہ تمہارے بڑوں کی مثال ایسی ہے جیسے ریل کے ایک طرف ایک انجن لگا دیا جائے اور اس کے دوسری طرف دوسرا انجن۔ بیشک ایمان کا انجن طاقتور ہے لیکن انہیں عادت کا انجن کسی اور طرف کھینچ رہا ہے اور ایمان کا انجن کسی اور طرف۔ اس لئے ان کی رفتار لازماً سُست ہے۔ لیکن اگر تم اپنی عادتیں بچپن سے درست کر لو تو تمہارے دونوں انجن ایک ہی طرف لگے ہوئے ہوں گے۔ تمہیں ایمان کا انجن بھی اسی طرف کھینچے گا اور عادت کا انجن بھی اسی طرف کھینچے گا۔ اور تم خود ہی سمجھ سکتے ہو کہ جس ریل کے آگے دو انجن لگے ہوئے ہوں اس کی رفتار کس قدر تیز ہوگی۔ پس میں تمہیں بھی مخاطب کرتا ہوں اور پھر عورتوں سے بھی کہتا ہوں کہ اپنے اندر تغیر پیدا کرو اور قربانیوں میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لو۔ دنیا کمانے سے اسلام نہیں روکتا۔ صحابہؓ نے بھی بڑی بڑی تجارتیں کیں۔ خود رسول کریم ﷺ بھی تجارت کر لیا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے بھی تجارتیں کی ہیں، پھر صحابہ زراعتیں بھی کرتے تھے اور رسول کریم ﷺ بھی بعض زمینوں میں کام کرواتے تھے اور ان کے غلہ سے سال بھر تک کی ضروریات اپنے اہل کی جمع کرا دیتے تھے۔ پھر صحابہؓ نے تو بڑی بڑی زمینداریاں اور تجارتیں کی ہیں اور بہت کچھ کمایا ہے۔ پس تمہیں بھی دنیا کمانے سے کوئی شخص نہیں روکتا۔ ہاں یہ چیزیں تمہاری توجہ کھینچنے والی نہ ہوں بلکہ خدا کی آواز جب بھی تمہارے کانوں میں پڑے تم ان تمام زراعتوں اور تجارتوں اور

ملازمتوں کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی آواز پر حاضر ہو جاؤ اور اگر تم ایسا کرو تو پھر تم دنیا دار نہیں بلکہ دیندار کہلاؤ گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک دفعہ حضرت امام حسن نے پوچھا کہ کیا آپ کو مجھ سے محبت ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ پھر انہوں نے سوال کیا کہ آپ کو خدا تعالیٰ سے بھی محبت ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ حضرت امام حسنؓ کہنے لگے پھر تو یہ شرک ہے۔ حضرت علیؓ نے ابھی اس کا کوئی جواب نہ دیا تھا کہ جھٹ حضرت امام حسن نے آپ ہی سوال کر دیا کہ اگر خدا تعالیٰ کی محبت آپ کو ایک طرف کھینچتی ہو اور میری محبت دوسری طرف تو آپ کس راہ کو اختیار کریں گے؟ انہوں نے کہا میں خدا تعالیٰ کی محبت کے راستہ کو ہی اختیار کروں گا۔ اس پر امام حسنؓ بولے تب آپ مشرک نہیں۔ تو وہ بندہ جو خدا تعالیٰ کی آواز سن کر رُک جاتا ہے وہ اگر دنیا کے کاموں میں بھی مشغول ہو تو وہ دنیا دار نہیں بلکہ دیندار ہے اور میں نہیں سمجھ سکتا دنیا میں کوئی شخص ایسا ہو جس کے اندر حقیقی ایمان کا شائبہ بھی پایا جاتا ہو اور وہ خدا تعالیٰ کی آواز سن کر اپنی ہوا و ہوس کے اتباع سے نہ رُک سکے۔ دنیا میں تو ہم دیکھتے ہیں اگر معمولی جذبات بھی اُبھر آئیں تو انسان کے ہاتھ کو رنگ دیتے ہیں۔ کجا یہ کہ ایمان کا دعویٰ ہو اور خدا تعالیٰ کی آواز آئے اور انسان کا ہاتھ نہ رُکے۔

مجھے یاد ہے بچپن میں میری ایک کشتی تھی جو برسات کے دنوں میں لڑکے لے جاتے اور سارا دن اُس پر کودتے اور توڑتے رہتے۔ ایک دفعہ میں نے بعض لڑکوں کو مقرر کیا کہ اب کی دفعہ کوئی کشتی لے جائے تو مجھے اطلاع دینا۔ چنانچہ انہوں نے ایک دن مجھے اطلاع دی کہ آپکی کشتی فلاں فلاں لڑکے لے گئے ہیں اور وہ پانی میں کھیل کود رہے ہیں۔ اس پر میں وہاں گیا میں نے دیکھا کہ پندرہ بیس لڑکے اس پر بیٹھے ہیں۔ (حالانکہ اس کشتی پر صرف پانچ سات لڑکے بیٹھ سکتے تھے) اور خوب کھیل کود رہے اور شور مچا رہے ہیں۔ کشتی کے اندر پانی بھرا ہوا ہے اور وہ پانی میں ڈوب رہی ہے۔ میں نے قریب جا کر جو اُن کو آواز دی تو وہ لڑکے کچھ گھبرا سے گئے۔ کچھ اس لئے کہ کشتی کا مالک میں تھا اور کچھ اس لئے کہ قادیان ہماری ملکیت ہے اور وہ خوفزدہ ہو کر بھاگے اور پانی میں کود پڑے اور تیرتے ہوئے اِدھر اُدھر نکل گئے۔ میرے قابو اور تو کوئی نہ آیا صرف ایک لڑکا میرے قابو چڑھ گیا۔ کیونکہ اُسے نکلنے کیلئے اور کوئی رستہ نہ ملا اور جس جگہ سے وہ نکلا وہاں میں کھڑا تھا۔ بچپن کی عمر تھی اور غصہ مجھے بے انتہا آیا ہوا تھا۔ میں نے جوش

سے اُسے مارنے کیلئے اپنا ہاتھ اُٹھایا اور اُس نے میری ضرب کو روکنے کیلئے ہاتھ اُٹھایا جسے دیکھ کر مجھے اور غصہ آیا اور میں نے اور زیادہ زور سے ہاتھ پیچھے لے جا کر اُسے مُکّا مارنا چاہا۔ یہ دیکھ کر اُس نے یا تو یہ سمجھتے ہوئے کہ ان کے مقابلہ میں میرا ہاتھ اٹھانا بے ادبی ہوگا اور یا یہ سمجھتے ہوئے کہ انہیں غصہ بہت چڑھا ہوا ہے اگر میں نے ضرب روکی تو انہیں اور زیادہ غصہ آئے گا اُس نے اپنا ہاتھ ہٹا لیا اور میری طرف منہ کر کے بولا لو جی مار لو۔ جس طرح پتھر گر پڑتا ہے اسی طرح میرا ہاتھ جو بڑے جوش سے اُٹھا ہوا تھا بیکار ہو کر نیچے گر گیا اور اُس کے سامنے سے ہٹتے ہوئے مجھے یوں محسوس ہوا کہ گویا وہ حقدار ہے اور میں مجرم ہوں۔ تو اگر معمولی اخلاق انسان کے قلب پر اتنا عظیم الشان اثر کر سکتے ہیں پھر کس طرح ممکن ہے کہ ایک انسان کو خدا تعالیٰ کی یہ آواز آ رہی ہو کہ میرے بندے میری طرف آ اور وہ اس کی طرف دوڑ نہ پڑے۔ اگر اس میں ایک شمہ بھر بھی خدا تعالیٰ کی محبت ہوگی تو ناممکن ہے کہ اس کا پاؤں کسی اور طرف اُٹھے۔

حدیثوں میں آتا ہے ایک دفعہ ایک شخص اپنے غلام کو مارنے لگا کہ اسے پیچھے کی طرف سے ایک آواز آئی کہ یہ کیا جاہلیت کی حرکت کر رہے ہو۔ اُس نے مڑ کر دیکھا تو وہ رسول کریم ﷺ تھے۔ وہ صحابی کہتے ہیں مَیں اُس وقت نہایت جوش کی حالت میں تھا کیونکہ اُس غلام نے کوئی نہایت ہی بیہودہ حرکت کی تھی اور میں نے اُسے مارنے کیلئے اپنے ہاتھ میں کوڑا اُٹھایا ہوا تھا اور ایک کوڑا لگا چکا تھا کہ مجھے رسول کریم ﷺ کی یہ آواز آئی کہ یہ کیا جاہلیت کی بات ہے۔ وہ صحابی کہتے ہیں یہ آواز سن کر مجھے اِس قدر ندامت ہوئی کہ میں نے اپنے دل میں کہا کاش! میں اس سے پہلے مر چکا ہوتا اور رسول کریم ﷺ کی ہیبت کی وجہ سے کوڑا میرے ہاتھ سے گر گیا۔ میں نہایت شرمندہ ہو کر مجرم کی طرح آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ میں اسے نہیں مارتا۔ آپ نے فرمایا اب کیا ہے اب تو تم اسے مار ہی چکے۔ میں نے کہا یَا رَسُوْلَ للّٰہِ پھر میرے اس گناہ کا کیا کفارہ ہے۔ آپ نے فرمایا اس کا کفارہ اس کی آزادی ہے۔ چنانچہ اُس صحابی نے اُسی وقت اُس غلام سے کہہ دیا کہ آج سے میں نے تجھ کو آزاد کیا۔[۶]

تم جو غلام رکھنے کے عادی نہیں ہو تم نہیں سمجھ سکتے کہ اس زمانہ میں غلام کی کیا قیمت ہوتی تھی۔ اس زمانہ میں غلام کی جس قدر آمد ہوا کرتی تھی وہ اُس کی نہیں بلکہ اُس کے آقا کی ہوا کرتی تھی۔ گویا غلام اپنے آقا کیلئے روزی کمایا کرتا تھا۔ پس ''میں نے تجھ کو آزاد کیا'' یہ ایسے ہی الفاظ ہیں جیسے تمہارے

کانوں میں یہ آواز آئے کہ کوئی شخص ای اے سی ہو اور وہ کہہ رہا ہو کہ میں اپنے عہدے سے مستعفی ہوتا ہوں یا کوئی زمیندار یہ کہہ رہا ہو کہ میں اپنی زمین چھوڑتا ہوں۔ غرض اُس زمانہ میں غلام کو آزاد کرنے کے معنے یہ تھے کہ اس کے ذریعہ سے جس قدر آمد ہوتی تھی وہ سب جاتی رہے گی۔ مگر اُس صحابی نے جب دیکھا کہ مجھ سے ایک قصور ہوا ہے اور خدا تعالیٰ کی آواز اس کے رسول کے ذریعہ سے مجھے کسی اور طرف بلاتی ہے تو اس نے اس غلام کو آزاد کر دیا۔ تو خدا تعالیٰ کی آواز جب کسی اخلاص رکھنے والے انسان کو سنائی دیتی ہے تو اس کا رنگ بالکل بدل دیتی ہے اور اسے بڑی سے بڑی قربانیوں پر آمادہ کر دیتی ہے۔ پس تم خدا تعالیٰ کی محبت اپنے دلوں میں پیدا کرو۔ سلسلہ کے کاموں کو اپنے کاموں پر مقدم سمجھو۔ سلسلہ کی تبلیغ کو اپنے بیوی بچوں سے باتیں کرنے پر مقدم سمجھو۔ سلسلہ کی مالی ضروریات کو اپنی مالی ضروریات پر مقدم سمجھو اور اپنے اندر وہ حالت پیدا کر لو کہ جب بھی خدا کی آواز تمہارے کانوں میں پڑے تمہارا سر اُسی جگہ جھک جائے اور تمہارے اندر اس کے خلاف ایک ذرا سی بھی جنبش پیدا نہ ہو۔ یہ وہ ایمان ہے جو حقیقی ایمان کہلاتا ہے۔ اور یہ وہ ایمان ہے جو دل سے ہر قسم کا گند دور کر کے انسان کو قوم کا سپاہی بنا دیتا ہے۔

قادیان والوں پر خصوصیت سے بہت بڑی ذمہ داری عائد ہے۔ انہیں سچائی پر دوسروں سے زیادہ جوش سے قائم ہونا چاہیئے۔ انہیں نمازیں دوسروں سے زیادہ مداومت کے ساتھ پڑھنی چاہئیں۔ انہیں تبلیغ دوسروں سے زیادہ عمدگی سے کرنی چاہیئے۔ انہیں مالی قربانی دوسروں سے بہت بڑھ کر کرنی چاہیئے۔ کیونکہ یہی وہ نعمتیں ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے لئے لائے۔ اگر یہ نعمتیں کسی کو حاصل نہیں اور وہ قادیان میں محض تجارت یا زراعت یا ملازمت اپنا پیشہ بنا کر رہائش اختیار کئے ہوئے ہے، تو اسے یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ کوئی چیز نہیں۔ اگر وہ باہر پچاس ساٹھ کماتا تھا اور یہاں اُس نے دوسَو ماہوار بھی کما لئے تب بھی یہ بالکل حقیر اور ذلیل چیز ہے۔ تم سے زیادہ کمانے والے، تم سے زیادہ تجارتیں کرنے والے، تم سے زیادہ زراعتیں کرنے والے، تم سے زیادہ دُنیوی کاموں میں دسترس رکھنے والے دنیا میں موجود ہیں، پھر سوچو کہ انہوں نے کیا بنا لیا۔ مگر جن لوگوں نے خدا تعالیٰ کی خاطر قربانیاں کی ہیں، دنیا سینکڑوں سالوں سے ان کی اولادوں اور نسلوں کی بھی غلام بنی چلی آ رہی ہے۔ یزید نے بے شک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو اُس نواسے کو جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی گود میں اُٹھایا شہید

کر دیا اور اُس نے یہ سمجھا کہ وہ کامیاب ہوگیا۔ مگر آج بھی وہ لوگ موجود ہیں جو سادات میں سے ہونے کی وجہ سے دوسروں سے بے دھڑک کہہ دیتے ہیں کہ ہم اُمتی کے برتن میں کھانا نہیں کھائیں گے۔ پھر بعض بناوٹی سید ہوتے ہیں وہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ ہم اُمتی کے برتن میں کھانا نہیں کھائیں گے اور لوگ خوشی سے ان باتوں کو برداشت کر لیتے ہیں۔ حالانکہ اس قسم کا فقرہ لوگ کسی بڑے سے بڑے آدمی کے منہ سے بھی نہیں سُن سکتے اور اسے اپنی ہتک سمجھتے ہیں۔ مگر جب کسی سید کے منہ سے وہ یہ فقرہ سنتے ہیں تو کہتے ہیں کہ کوئی حرج نہیں، آخر یہ محمد ﷺ کی بیٹی کی اولاد میں سے ہے۔

اب دیکھو تیرہ سَو سال کا عرصہ کتنا لمبا عرصہ ہوتا ہے مگر آج بھی ایک شخص جب یہ کہتا ہے کہ میں سید ہوں تو معاً ہمارا لہجہ اور ہمارا طریق گفتگو بدل جاتا ہے۔ ہم اسی حیثیت کے ایک دوسرے آدمی کو تو تُو کر کے بُلا رہے ہوتے ہیں مگر اس سیّد کو ہم شاہ صاحب شاہ صاحب کہنے لگ جاتے ہیں اور اس طرح وہ ہمارا شاہ بھی بن جاتا ہے اور صاحب بھی ہو جاتا ہے۔ حالانکہ بعض دفعہ اس کے اعمال کو رسول کریم ﷺ کی تعلیم سے اتنی نسبت بھی نہیں ہوتی جتنی خاک کو سورج سے ہے۔ پھر تم خدا تعالیٰ کو دیکھو وہ بھی کس طرح ان لوگوں کی قدر کرتا ہے جو اُس کے کسی پیارے کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب دشمنوں کی طرف سے بہت زیادہ تکالیف پہنچیں تو غالباً اس وجہ سے کہ آپ کے دل میں ان کے متعلق بددعا کا جوش پیدا ہوا اللہ تعالیٰ نے آپ پر الہام کیا اور فرمایا ؎

اے دل تُو نیز خاطر ایناں نگاہ دار

کآخر کنند دعوئے حب پیمبرم

یعنی اے مسیح موعودؑ کے دل! تُو نیز خاطر ایناں نگاہ دار۔ یہ کیسے ہی تیرے دشمن سہی، کیسے ہی تیرے مخالف سہی پھر بھی ان کا کچھ لحاظ کیجیؤ۔ کیونکہ یہ ہمارے پیغمبر کی محبت کا دعویٰ تو کرتے ہیں۔ اب دیکھو غنی خدا، محسن خدا، صمد خدا اپنے ایک خادم سے تعلق رکھنے والے کی جب اتنی قدر کرتا ہے تو کس قدر ناپاک وہ بندہ ہے جو یہ خیال کرتا ہے کہ اگر وہ خود خدا سے تعلق پیدا کرے گا تو خدا اُس کی قدر نہیں کرے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک الہام یہ بھی ہے کہ اُخْرِجَ مِنْهُ الْيَزِيْدِيُّوْنَ [۷] کہ قادیان میں بعض یزیدی صفت لوگ پیدا کئے گئے ہیں۔ یہ نام گویا خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کا رکھا جو سلسلہ کی مخالفت کرتے ہیں مگر خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر یہ الہام نازل

کر کے کہ ؎

اے دل تُو نیز خاطر ایناں نگاہ دار

کآخر کنند دعوئے حب پیمبرم

اِس امر کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ گو یزید ایک نہایت ہی ناپاک انسان تھا جس نے محمد ﷺ کے نواسے کو شہید کیا اور تیرے دشمن یزیدی صفت ہو گئے ہیں۔ مگر پھر بھی ان کا کچھ نہ کچھ لحاظ کرنا کیونکہ یہ آخر یہ دعویٰ تو کرتے ہیں کہ انہیں رسول کریم ﷺ سے محبت ہے۔

تو اخلاص اور عدمِ اخلاص بہت موٹی چیزیں ہیں اور یہ فوراً نظر آ جاتی ہیں۔ جسے اخلاص ہوتا ہے اسے اپنے محبوب کی ہر چیز پیاری معلوم ہوتی ہے۔ مگر جس کے اندر اخلاص کا مادہ نہیں ہوتا وہ محبت کا دعویٰ تو کرتا ہے لیکن اس کے آثار اس کے اندر نہیں پائے جاتے۔ پس میں جماعت کے دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ تم اپنے اندر اخلاص اور محبت پیدا کرو اور دن اور رات سلسلہ کیلئے قربانیاں کر کے اپنے آپ کو ان لوگوں میں شامل کرو جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کی۔

اس وقت تحریک جدید کا پہلا دَور ختم ہو کر اس کا دوسرا دور عنقریب شروع ہونے والا ہے۔ تمہیں چاہئے کہ تم میں سے ہر شخص سچی قربانی کا نمونہ بنے اور اس تحریک کے جس قدر مطالبات ہیں ان کو پورا کرے۔ تا اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس تحریک کے دوسرے دَور میں شامل ہونے کی سعادت حاصل ہو۔ یاد رکھو وہ لوگ جنہوں نے آج کوتاہی کی ہوگی، جنہوں نے آج اپنی قربانیوں کمزوری اور سُستی دکھائی ہوگی، جنہوں نے آج اپنے وعدوں کو پورا کرنے سے بے توجہی اور لاپرواہی اختیار کی ہوگی اُن کا کل ان کو اس نیکی کے راستہ سے اور زیادہ دور لے جانے والا ہوگا اور اللہ تعالیٰ ہی ان پر رحم کرے تو کرے ورنہ ظاہری حالات کے لحاظ سے ان کی ایمانی حالت خطرناک ہوگی۔

پس میں جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ گو سال کا زیادہ عرصہ گزر چکا ہے مگر اب بھی وقت ہے، اب بھی لہو لگا کر شہیدوں میں شامل ہونے کا موقع ہے اور گو دن بہت تھوڑے رہ گئے اور سال اپنے اختتام کو پہنچ گیا مگر پھر بھی وہ دوست جو اپنی اصلاح کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔ ان کے سامنے تحریک جدید کے تمام مطالبات موجود ہیں۔ انہیں چاہئے کہ وہ ان تمام مطالبات کو پورا کریں۔ خواہ وہ مطالبات سادہ زندگی کے متعلق ہیں، خواہ ایک کھانا کھانے کے متعلق ہیں، خواہ تبلیغ کے متعلق ہیں، خواہ وقف زندگی کے

متعلق ہیں، خواہ اپنے ہاتھوں سے کام کرنے کے متعلق ہیں، خواہ صلح اور آشتی سے رہنے کے متعلق ہیں اور خواہ مالی قربانی کے متعلق ہیں۔ ان میں سے ہر ایک مطالبہ کو پورا کرو۔ چونکہ جیسا میں نے حال میں اعلان کیا ہے اس سال مالی حصہ میں ابھی بہت کمی ہے اس لئے اس حصہ کی طرف خاص توجہ کرنی چاہئے۔ اس کے علاوہ ان باتوں کو بھی مدنظر رکھو جن کے متعلق میں نے اس سال کے چند ابتدائی خطبات میں جماعت کو توجہ دلا چکا ہوں۔ غرض ہر رنگ میں تحریک جدید کے مطالبات کو پورا کرو اور اپنے چھوٹوں اور اپنے بڑوں اور اپنے جوانوں اور اپنے بوڑھوں کے اندر نیکی اور تقویٰ کا وہ رنگ پیدا کرو کہ جس رنگ کو دیکھ کر دنیا یہ کہہ سکے کہ اسے تم میں خدائی جلوہ نظر آ رہا ہے۔

(الفضل ۸؍ اکتوبر ۱۹۳۷ء)

---

۱ موضوعات کبیر۔ ملا علی قاری صفحہ ۵۹ مطبوعہ دہلی ۱۳۴۶ھ

۲ فاطر: ۴۴ ۳ الکھف: ۱۱۱

۴ بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجهاد (الخ)

۵ التکویر: ۱۴

۶ مسلم کتاب الایمان باب صحبة المماليک

۷ تذکرہ صفحہ ۱۷۶۔ ایڈیشن چہارم